بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِين، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين، أَمَّا بَعْدُ:

25-شرح العقیدۃ الواسطیۃ

العقیدۃ الواسطیۃ الشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح ابن عثیمین رحمہ اللہ۔

اور پچھلے دو دروس میں توحید اسماء وصفات کے تعلق سے تفصیلی بیان کی ابتداء ہوئی ہے اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اس تفصیلی بیان کی ابتداء جو ہے وہ سورۃ الاخلاص اور آیت الکرسی سے کی ہے اور آج کی نشست میں یا آج کی نشست سے اور آگے جو ہے مزید اس تفصیلی بیان کا اسماء وصفات کے باب میں جو اللہ تعالیٰ کے پیارے نام ہیں اور صفات الکمال ہیں مختلف پیارے ناموں کا اور مختلف ان صفات الکمال کا دلیل کے ساتھ بیان ہے۔ یعنی آپ یوں سمجھ لیں (اور یہ حسن تصنیف میں سے ہے) کہ سورۃ الاخلاص اور آیت الکرسی کی ابتداء سے اجمالی طور پر توحید اسماء وصفات کے تعلق سے جو اہم پیغام ہے (یا اہم پیغامات ہیں) ان دو سورتوں میں وہیں سے ابتداء کی ہے۔ اب ہر نام (پیارے نام) کی اور ہر صفت کمال کو الگ الگ سے شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ کس طریقے سے شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی توحید کی ابتداء کتنے پیارے انداز میں کی ہے اور کس طریقے سے اس تفصیل کو بیان کیا ہے اور فضیلۃ الشیخ العلامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے بڑے پیارے انداز میں اس کی شرح بھی بیان کی ہے، تو جہاں پر رُکے تھے پچھلے درس میں وہیں سے درس کا آغاز کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وقوله سبحانه: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (الحدید: 3)"۔

﴿هُوَ الْاَوَّلُ﴾ (اللہ تعالیٰ ہی اوّل ہے) ﴿وَالْاٰخِرُ﴾ (آخر ہے) ﴿وَالظَّاهِرُ﴾ (ظاہر ہے) ﴿وَالْبَاطِنُ﴾ (اور باطن ہے) ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (اور وہی ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے)۔

شرح میں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ یہ چار نام ہیں اور یہ سارے کے سارے جو ہیں ان میں تقابل ہے زمان کے اعتبار سے اور مکان کے اعتبار سے جس کے معنی میں احاطہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے اوّلاً و آخراً یہ احاطہ زمانیہ اور مکان کے اعتبار سے بھی ظاہراً و باطناً۔

ان ناموں کا معنی مختصر شرح جو ہے یا تفسیر جو ہے:

﴿الْاَوَّلُ﴾: شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ)، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نام کی تفسیر یا اس لفظ کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے "الذِي لَيْسَ قَبْلَهُ شَيْءٌ" (الاوّل کا معنی جو ہے "الذِي لَيْسَ قَبْلَهُ شَيْءٌ" یہ وہ ذات ہے جس سے پہلے کوئی بھی چیز نہیں ہے)۔ قرآن مجید کی اس آیت میں ﴿الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾: ﴿الْاَوَّلُ﴾ مثبت لفظ ہے اثبات ہے اور حدیث میں (صحیح مسلم کی حدیث میں) جو اس کا معنی بیان ہوا ہے "هُوَ الذِي لَيْسَ قَبْلَهُ شَيْءٌ" یہ جملہ منفیۃ ہے اس میں نفی ہے اور جو صفات ثبوتیۃ ہیں اُن میں زیادہ کمال کا معنی موجود ہوتا ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) لیکن آیت میں جو ہے وہ صفت ثبوتیۃ ہے اس میں نفی نہیں ہے لیکن حدیث میں جو ہے وہ صفت سلبیۃ ہے جس میں نفی ہے تو اس کی وجہ کیا ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں؟

جواب میں شیخ صاحب خود فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ تفسیر جو ہے اس لیے بیان کی ہے تاکہ جو اوّلیت ہے اوّل کا معنی جو ہے اس کی تاکید کے لیے۔ یعنی یہ صفت مطلقہ ہے یہ جو اوّلیہ ہے یہ اضافیہ نہیں ہے کسی چیز کی نسبت کے اعتبار سے نہیں ہے یعنی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اوّل تو ہے لیکن کسی اعتبار سے، یا جو اس کے بعد ہے اس کے اعتبار سے اوّل ہے لیکن کوئی اور چیز بھی اُس سے پہلے ہو سکتی ہے۔ لیکن جب سلبی صفت سے "الذِي لَيْسَ قَبْلَهُ شَيْءٌ" سے جب یہ جملہ بیان کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے اس میں زیادہ عموم ہے اور خصوصی طور پر کوئی اور چیز اُس

سے پہلے ہے ہی نہیں۔ تو وہ ایسا اوّل ہے جس سے پہلے کوئی بھی نہیں ہے اور اس میں یعنی زمانے کے اعتبار سے تقدم کا معنی پایا جاتا ہے۔

یعنی کہنے سے مراد یہ ہے: ''الاوّل'' جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں پہلا ہے کیا اُس سے آگے بھی کوئی ہے یا نہیں ہے یا اُس کے بعد والے سے وہ پہلا ہے؟ دونوں معنی موجود ہیں اس الاوّل کے لفظ میں یعنی جو اُس کے بعد ہے اُس سے پہلا ہے اس اعتبار سے۔

کیا اُس سے اور پہلا بھی ہے اُس کی نفی نہیں ہے لیکن ''الذِي لَيْسَ قَبْلَهُ شَيْءٌ'' ایسا پہلا ہے اوّل ہے جس سے پہلے جس سے آگے کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ اب یہاں پر کیا ہو گا؟ کہ اوّلیت جو ہے متعین ہو گئی ہے اور ازلی ہے یعنی اُس سے پہلے کوئی چیز ہے ہی نہیں اور اس کا امکان ہی نہیں ہے۔

تو یہ فرق ہے دونوں میں صفت ثبوتیۃ اور صفت سلبیۃ، تو دونوں اعتبار سے قرآن اور سنت میں اور یہی خوبصورتی کا انداز بیان ہے کہ ایک ہی لفظ ہے قرآن مجید میں ایک اعتبار سے بیان ہوا ہے اُس کی اپنی خوبصورتی ہے اُس میں اپنا پیغام ہے اور پھر حدیث میں اس کی مزید تفسیر بیان کرتے ہوئے اور الفاظوں سے جس میں (جیسے کہتے ہیں کہ چار چاند لگ جاتے ہیں) معنی جو ہے نا بالکل مکمل وضاحت کے ساتھ آسانی کے ساتھ بیان کر دیا جاتا ہے۔

تو ﴿الْاَوَّلُ﴾ ''الذِي لَيْسَ قَبْلَهُ شَيْءٌ'' اور دونوں میں اپنے اپنے یعنی معنی موجود ہیں (دونوں لفظوں میں)۔

اس کے تقابل میں (الاوّل کے تقابل میں) ﴿الْاٰخِرُ﴾ ہے اور الآخر کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے ''الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ شَيْءٌ'' (یہ وہ ہے جس کے بعد کوئی چیز نہیں ہے)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کسی شخص کو یہ گمان نہ ہو کہ اس میں دلالت ہے کہ اس کی یعنی آخریتہ ہے یا کوئی انتہا ہے کیونکہ بعض ایسی چیزیں ہیں مخلوقات میں سے جو ہمیشہ رہیں گی جیسا کہ جنت ہے دوزخ ہے وہ ہمیشہ رہیں گی کبھی فنا نہیں ہوں گی اور یہی عقیدہ ہے اہل سنت والجماعت کا۔ تو آخر سے مراد ہے ہر چیز کا احاطہ کرنے والا جس کی کوئی انتہا نہیں ہے کوئی آخریت نہیں ہے۔

تو ﴿الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ﴾ میں یہ معنی متعین ہو جاتا ہے کہ زمانے کے اعتبار سے نہ تو اللہ تعالیٰ سے پہلے کوئی چیز ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے بعد کوئی چیز ہو گی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہے اور ہمیشہ سے ہے۔

پھر اور دو نام ﴿وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾: الظاہر کا لفظ جو ہے یہ ظہور سے لیا گیا ہے اور ظہور جو ہے علو کو کہتے ہیں (بلندی کو کہتے ہیں) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (التوبہ: 33)، ﴿لِيُظْهِرَهٗ﴾ کا معنی ہے "ليعليه" (یعنی بلند کرے تمام ادیان پر)، اور عربی زبان میں "ظهر الدابة" کہتے ہیں۔ جو کمر ہے جانور کی اسے ظہر کیوں کہتے ہیں؟ کیونکہ وہ اس کا بلند حصہ ہے۔ اور اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ﴾ (الکھف: 97)۔

جب سید ناذوالقرنین نے وہ بند بنالیا تو یاجوج وماجوج جو ہیں اُن کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ﴾۔ ﴿اَنْ يَّظْهَرُوْهُ﴾ سے مراد کیا ہے؟ کہ اُس سے اوپر سے وہ جا نہ سکے۔ ﴿وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾ (اور نہ ہی اُس میں سوراخ کر سکے)۔ تو یہاں پر جو ہے ظہور کا کیا معنی ہے؟ کہ اوپر کی طرف سے پھلانگ کر نہیں جا سکتے تھے، یعنی "أي يعلوا عليه"، تو ظہر اور ظاہر کے معنی میں علو کا معنی پایا جاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے ﴿الظَّاهِرُ﴾ کا معنی "الَّذِي لَيْسَ فَوْقَهُ شَيْءٌ" (جس کے اوپر کوئی چیز نہیں ہے)، یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز سے اوپر ہے اور بلند ہے۔

اسی طریقے سے ﴿وَالْبَاطِنُ﴾: اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے الباطن کے معنی کے تعلق سے "الَّذِي لَيْسَ دُونَهُ شَيْءٌ"، اور یہ کنایت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے احاطے کی کہ اللہ تعالیٰ بلند بھی ہے اور وہ ہر چیز کے قریب بھی ہے، اللہ تعالیٰ کا جو علو ہے جو بلندی ہے وہ اس کے باطن اور قریب ہونے کے منافی نہیں ہے، سب سے زیادہ بلند بھی ہے اور سب سے زیادہ قریب بھی ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں، ان چاروں ناموں پر ذرا غور کریں تو آپ یہ دیکھتے ہیں کہ اس میں تقابل ہے اور یہ سارے کے سارے خبر ہیں مبتدأ ایک ہی ہے اور حرف العطف سے ان کو بیان کیا ہے، ﴿الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾، اور جب یہ انداز بیان ہو تو عربی گرامر کے اعتبار سے یعنی ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ الاوّل، والآخر، والظاہر، والباطن یہ کیا ہے؟ یہ ساری خبریں ہیں ایک مبتدأ ہے ﴿هُوَ﴾۔ خبر کیا ہے؟ ﴿الْاَوَّلُ﴾ پھر عطف ہے، ﴿وَالْاٰخِرُ﴾ پھر واؤ العطف ہے، ﴿وَالظَّاهِرُ﴾ پھر واؤ العطف ہے، پھر ﴿وَالْبَاطِنُ﴾۔

جب یہ انداز بیان ہوتا ہے حرف العطف کے ساتھ جو ہے اس سے زیادہ قوی ہے جو حرف عطف کے بغیر بیان ہوتا ہے، مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ۝١٤ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۝١٥ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ۝١٦﴾(البروج:14-16)۔

اب دیکھیں ﴿وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ﴾ اور ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ﴾ کیا فرق ہے دونوں میں؟ ﴿الْغَفُورُ الْوَدُودُ﴾ میں حرف العطف نہیں ہے لیکن ﴿الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ﴾ میں حرف العطف ہے، الاوّل (وا) پھر الآخر ہے۔

تو دونوں کو دیکھیں ﴿الْغَفُورُ الْوَدُودُ﴾ بھی خبر ہے (دونوں، غفور خبر ہے ودود خبر ہے)، اور اسی طریقے سے جو حرف العطف سے ہے ﴿الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ یہ بھی أخبار ہیں متعدد خبریں ہیں گرامر کے اعتبار سے۔

اس کا فائدہ کیا ہوتا ہے جب حرف عطف کے ساتھ ہوتا ہے؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ)، اس کے کئی فائدے ہیں:

1- کہ اس سے پہلے کی تاکید ہوتی ہے، جب آپ عطف کرتے ہیں تو پھر جس پر عطف کرتے ہیں آپ اسے اصل بنا دیتے ہیں اور اصل ثابت ہو جاتا ہے اُس سے۔ ((﴿الْاَوَّلُ﴾ کو آپ نے ثابت کیا، ﴿وَالْاٰخِرُ﴾ پھر اس پر عطف کیا اسے مزید ثابت کیا ہے، اس طریقے سے))۔

2- اور دوسرا فائدہ ہوتا ہے "إفادة الجمع"، اس میں جمع کا فائدہ ہوتا ہے اور اس سے یہ لازمی نہیں ہوتا کہ جو موصوف ہے اس کی تعداد ایک سے زیادہ ہے۔

یعنی اگر ﴿الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ آپ کہتے ہیں یہ سب الگ الگ ہیں کیا کیونکہ حرف عطف کے ساتھ جب آپ بیان کرتے ہیں تو اس میں تعدد کا معنی پایا جاتا ہے الجمع کا معنی پایا جاتا ہے؟ تعدد ہو بھی سکتا ہے نہیں بھی ہو سکتا حرف عطف کے ساتھ لیکن اللہ تعالیٰ کے حق میں تعدد ممکن ہے کہ ایک سے زیادہ ہے الاوّل ایک ہے، پھر الآخر دوسرا ہے، پھر الظاہر تیسرا ہے، الباطن چوتھا ہے؟ نہیں!

وجہ کیا ہے دیکھیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى﴾ (الأعلی: 1-3)۔ ﴿الْاَعْلَى﴾ کون ہے؟ "الذي خلق فسوى هو الذي قدر فهدى"۔ تو ذات ایک ہی ہے بغیر حرف العطف کے بھی وہی معنی ہے حرف العطف کے ساتھ بھی وہی ہے۔

((یعنی حرف العطف کے ساتھ تعدد لازمی نہیں آتا اگرچہ جمع کا معنی پایا جاتا ہے لیکن تعدد لازمی نہیں آتا))۔

اور یہ بھی کہتے ہیں "کہ حرف العطف سے مغایرت لازم آتی ہے"، یعنی حرف العطف سے پہلے جو حرف العطف کے بعد ہے دو مختلف چیزیں ہیں۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں، جی یہ بات درست ہے لیکن فرق ہے بعض اوقات جو مغایرت ہے اُعیان کی ہوتی ہے اور بعض اوقات اوصاف کی ہوتی ہے۔

حرف العطف جو آپ بیان کرتے ہیں اور ایک سے زیادہ چیزوں کا (حرف العطف میں آپ کو پتہ ہے ایک سے زیادہ چیزوں کا آپ بیان کرتے ہیں حرف العطف کے ساتھ واؤ بھی ہو سکتا ہے، الفاء، یا ثم) واؤ کے ساتھ جو حرف العطف ہے یا جتنے بھی ہیں سارے حروف العطف جو ہیں جب آپ دو چیزوں کو جوڑ دیتے ہیں حرف عطف کے ساتھ اس میں دو میں مغایرت یعنی دو ڈفرنٹ (Different) چیزیں ہیں ایک چیز کو آپ عطف کیسے کر سکتے ہیں؟

تو اللہ تعالیٰ کے حق میں ایسا کیوں نہیں ہے؟ کیونکہ کوئی اعتراض کرے مطلب یہ کہ ایک سے زیادہ اِلہ ہیں جو حرف العطف سے بیان کیا ہے؟ نہیں۔

وجہ کیا ہے؟ کیونکہ حرف العطف جو ہے مغایرت اس میں ہے ڈفرنٹ (Different) چیزوں کا ذکر ہو رہا ہے یا تو عین کے اعتبار سے ذات کے اعتبار سے یا وصف کے اعتبار سے۔

"یا ذات کے اعتبار سے" متعدد ہے ذات ایک سے زیادہ ہے؟ وصف اگر ہے تو ایک ہی ذات میں ایک سے زیادہ وصف ہو سکتا ہے کہ نہیں؟ تو وصف کے اعتبار سے ذات ایک رہے گی ایک سے زیادہ نہیں ہو گی لیکن مختلف اوصاف کی وجہ سے حرف عطف استعمال ہوتا ہے۔

اور اسی طریقے سے لفظ کے اعتبار سے بھی تغایر ہوتا ہے (معنی کے اعتبار سے بھی ہے اور لفظ کے اعتبار سے بھی ہے) اب لفظ کے اعتبار سے دیکھیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے "فألقى قولها كذباً ومينا"۔ "مَیْن" بھی جھوٹ کو کہتے ہیں، اب

"كذباً ومينا" جھوٹ پر جھوٹ کو جو ہے بیان کیا ہے۔ وجہ کیا ہے؟ کیونکہ لفظ دوسرا ہے معنیٰ ایک ہے جب معنیٰ ایک ہو لفظ مختلف ہوں تو لفظ مختلف ہو جاتے ہیں حرف العطف کی وجہ سے لیکن معنیٰ ایک ہی رہتا ہے۔

تو حرف العطف جو ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) جو اختلاف تغایر ہے یا تو عینی کے اعتبار سے ہے یا معنیٰ کے اعتبار سے ہے، یا لفظ کے اعتبار سے ہے (اور صفت کے اعتبار سے بھی ہے جیسا کہ بیان ہوا ہے)۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص کہتا ہے "جاء زيد وعمرو وبكر وخالد" کتنے نام ہیں؟ زید، عمرو، بکر، خالد چار ہیں، یہ سب چاروں آئے ہیں۔ یہاں پر جو اختلاف ہے یہ تغایر ہے وہ کیا ہے؟ وہ عینی ہے (عین کے اعتبار سے ذات کے اعتبار سے)۔

اگر آپ یوں کہیں "جاء زيد الكريم والشجاع والعالم" (زید آیا) "الكريم والشجاع والعالم" کتنے لوگ آئے شخص کتنے آئے؟ ایک ہی آیا زید ہی ہے زید کے علاوہ کوئی اور ہے؟

لیکن پہلی مثال میں "جاء زيد وعمرو وبكر وخالد" کتنے ہیں یہ؟ چار لوگ ہیں۔ "جاء زيد الكريم والشجاع والعالم" کتنے لوگ ہیں؟ ایک ہی ہے۔ یہ جو کریم شجاع اور عالم؟ یہ اس کے اوصاف ہیں یہ خصلتیں اچھی اس میں پائی گئی ہیں۔

دونوں میں یکسانیت کس چیز کی ہے؟ حرف العطف کی ہے دونوں جملوں میں، ایک میں عین کے اعتبار سے حرف العطف بیان کیا گیا ہے اور چار ذاتیں ہو گئی ہیں چار مختلف أعیان ہیں، اور دوسرے میں شخص ایک ہے لیکن اوصاف مختلف ہیں ان اوصاف کو حرف عطف سے بیان کیا گیا اس میں ذات کا تعدد کا امکان نہیں ہے ذات ایک ہی ہے عین ایک ہی ہے لیکن وصف کے تغایر سے چار اوصاف ہیں یا تین اوصاف ہیں۔

تو یہاں پر تو تغایر ہے وہ کیا ہے؟ معنیٰ کے اعتبار سے ہے ذات کے اعتبار سے یا عین کے اعتبار سے نہیں ہے۔

اور اسی طریقے سے شیخ صاحب فرماتے ہیں اگر آپ کہیں "هذا الحديث كذب مَين"، یہاں پر "كذب ومَين" واؤ حرف العطف ہونا چاہیے۔ عربی نسخے میں واو کا لفظ ہونا چاہیے "ولو قلت: هذا الحديث كذب ومَين"۔ تو یہاں پر جو تغایر ہے کذب اور مین کا لفظ کے اعتبار سے ہے کیونکہ معنیٰ ایک ہے دونوں کا۔

تو اس آیت میں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے جو چار نام ثابت ہوتے ہیں ﴿الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾، اور پانچ صفات جو ہیں وہ ثابت ہوئی ہیں اس آیت کریمہ میں أولیة کی صفت، آخریة کی صفت، ظاھریة کی صفت، باطنیة کی صفت، اور پانچویں ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ "عموم العلم" (علم کی صفت)۔ اور

ان صفات کے مجموعے سے اللہ تعالیٰ کا احاطہ ہر چیز کا احاطہ زمناً و مکاناً ثابت ہوتا ہے اور کیونکہ ان تمام صفات کے جمع ہونے سے بھی ایک اور معنی وجود میں آتا ہے احاطے کی جو صفت ہے وہ کہاں پر ہے؟ وہ الگ سے نہیں ہے لیکن ان کے مجموعے میں جب ہم جمع کرتے ہیں ان صفات کو تو اللہ تعالیٰ کا احاطہ بھی ثابت ہو جاتا ہے ان ہی آیات میں (یعنی اس آیت میں یہ جو صفت الاحاطہ ہے یہ بھی اس میں بیان ہوئی ہے)۔

پھر شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ نام جو ہیں یہ متلازم ہیں یعنی مثال کے طور پر اگر آپ یہ کہتے ہیں الاوّل تو اس کے ساتھ الآخر کہنا بھی لازم ہو گا یا صرف الاوّل کہہ سکتے ہیں اور الآخر الگ سے کہہ سکتے ہیں دونوں کو الگ الگ کر کے؟

جواب میں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ظاہر تو یہی ہے کہ متقابل متلازم ہے، یعنی جب آپ الاوّل کہیں تو الآخر بھی ساتھ کہیں، الظاہر کہیں تو الباطن بھی ساتھ کہیں تاکہ صفۃ المقابلۃ جس میں احاطے کا معنی موجود ہے اس کا وہ معنی برقرار رہے ورنہ وہ معنی پھر چلا جاتا ہے (کیونکہ الاوّل ساتھ الآخر کہنا چاہیے کہ نہیں؟ ظاہر کہتے ہیں ساتھ باطن کہنا چاہیے کہ نہیں؟ الاوّل والآخر، الظاہر والباطن اس طریقے سے)۔

کیا فرق ہے اگر میں کہتا ہوں الاوّل بس الآخر نہیں کہتا ہوں؟ ہے تو بات درست اللہ تعالیٰ الاوّل ہے صفت ہے قرآن مجید میں۔ آپ صرف الاوّل کہہ سکتے ہیں یا جب بھی الاوّل کہیں ساتھ الآخر بھی کہیں "هو الأول والآخر" اور دونوں میں کیا فرق ہے؟ جب آپ الاوّل کہتے ہیں بعد میں الآخر الگ سے کہتے ہیں تو احاطہ زمانیہ کا معنی نہیں موجود اس میں۔ الاوّل کہہ دیا آپ نے احاطے کا معنی موجود ہے کہ زمانے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ محیط ہے؟ نہیں۔ الاوّل والآخر میں اب یہ معنی آ گیا ہے۔

الظاہر والباطن میں الظاہر الگ سے کہتے ہیں آپ درس ہے ہے تو ٹھیک لیکن بغیر الباطن کے جب آپ کہتے ہیں تو ایک معنی جو ہے جو مقصود ہے جیسے اس آیت میں بیان ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو ایک ساتھ بیان فرمایا ہے تاکہ احاطے کا معنی موجود ہو۔ تو پھر یہ معنی احاطے کا معنی جو ہے اگر آپ الگ سے بیان کرتے ہیں تو اس کا وجود ختم ہو جاتا ہے اس لیے جب آپ کہیں الاوّل ساتھ الآخر بھی کہیں، جب آپ کہیں الظاہر ساتھ الباطن بھی کہیں تاکہ احاطے کا معنی برقرار رہے۔

اور پھر اس آیت کا اختتام اللہ تعالیٰ نے اس جملے سے بیان فرمایا ہے ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ : شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اور یہ چار صفات کا کمال جو ہے وہ اسی جملے سے ہوا ہے ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾، یہ صیغ العموم میں سے ہے جس میں کوئی تخصیص نہیں ہے اور یہ عموم علم کا جو ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے افعال اور بندوں کے مخلوق کے جو افعال ہیں کلیات اور جزئیات اس میں سب شامل ہیں، جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ وہ بھی جانتا ہے جو ہونے والا ہے وہ بھی جانتا ہے، واجب ممکن مستحیل سب اس میں شال ہیں اللہ تعالیٰ کے علم میں اللہ تعالیٰ کا علم واسع ہے شامل ہے اور محیط ہے اس میں کوئی چیز مستثنیٰ نہیں ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز جانتا ہے کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ نہیں جانتا ہے) اور جو اللہ تعالیٰ کا علم ہے وہ واجب ہے اس کی مثال یہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات کے تعلق سے علم یا اپنے نفس کے تعلق سے علم ہے اور جو صفات کاملہ ہیں اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، اور جو مستحیل کا علم ہے جو ناممکنات کا علم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ إلى آخر الآية (اگر اس دنیا میں دو الہ ہوتے (دو معبود ہوتے) اللہ تعالیٰ کے علاوہ) ﴿لَفَسَدَتَا﴾ (تو زمین و آسمان میں دونوں فاسد ہو جاتے تباہ ہو جاتے) (الانبیاء: 22)۔

کیا دو الہ کا امکان ہے؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الہ ہو سکتا ہے؟ نہیں ہو سکتا ہے۔ تو ہمیں کس نے خبر دی ہے کہ اگر دوسرا الہ بھی ہوتا تو کائنات ختم ہو جاتی فساد پھیل جاتا؟ کہاں سے خبر ملی ہے ہمیں؟ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے کہ نہیں ہے؟ اب یہ علم جو ہے ممکنات کا ہے یا ناممکن چیز کا ہے؟ ناممکن چیز کا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ وہ بھی جانتا ہے جو ممکن ہے، وہ بھی جانتا ہے جو ناممکن ہے، اپنی ذات کے اعتبار سے جو علم واجب ہے وہ بھی جانتا ہے۔

اس کے علاوہ دوسری مثال ناممکن کی "وقوله" (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ إلى آخر الآية (الحج: 73)۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (بے شک وہ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا (جتنے معبود بھی ہیں)) ﴿لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا﴾ (کبھی بھی ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے) ﴿وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ (اگرچہ سارے کے سارے جن کو تم پکارتے ہو سب جمع ہو جائیں)۔

جن ہے انس ہے، درند ہے پرند ہے، پتھر ہے درخت ہے، اولیاء ہیں، جتنے بھی ہیں جن کو معبود بنایا گیا ہے جن کو پکارا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اُن میں سے الگ الگ بھی کوئی ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتا اگر سب جمع ہو جائیں تب بھی ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے۔ ناممکن ہے کہ نہیں ہمیں کس نے بتایا؟ اب ناممکن کا علم ہے کہ نہیں؟ اللہ تعالیٰ کو ہے اور اسی وحی کے ذریعے ہمیں بھی یہ خبر ملی ہے۔

جو ممکن کا علم ہے (ممکنات کا جو علم ہے) کہ ہر وہ چیز جو مخلوقات کے تعلق سے وہ ممکنات میں سے ہے (جتنی بھی ہیں جتنی بھی مخلوقات موجود ہیں وہ ممکنات میں سے ہے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴾ (اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو) (النحل: 19)، یہ ممکنات میں سے ہے۔

تو اس سے یہ ثابت ہوا شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم جو ہے ہر چیز کو محیط ہے ((یعنی اس آیت کریمہ میں دیکھیں ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ احاطہ زمانے کے اعتبار سے مکان کے اعتبار سے اور علم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے (سبحان اللہ)، چھوٹی سی آیت ہے لیکن کمال دیکھیں آپ احاطے کا معنی کتنے یعنی خوبصورت انداز میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے))۔

اور اس میں ثمرہ جو ملتا ہے اللہ تعالیٰ کے ان پیارے ناموں اور ان صفات الکمال پر ایمان رکھتے ہوئے اور خصوصی طور پر کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا عالم اور خوب جانتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے مراقبے کا کمال اور اللہ تعالیٰ کی خشیت اور ڈر کا جو ثمرہ ہے وہ حاصل ہوتا ہے اور اس سے یہ چیز لازم آتی ہے اہل ایمان پر جب اُن کا ایمان مضبوط ہوتا ہے تو پھر جہاں پر اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو دیکھنا چاہتا ہے وہیں پر اسے ہونا چاہیے اور جہاں پر اللہ تعالیٰ اسے نہیں دیکھنا چاہتا جہاں پر اللہ تعالیٰ منع فرمایا ہے وہاں پر نہیں دکھنا چاہیے۔

یعنی جہاں پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ (البقرۃ: 43) تو پہلی صف میں ہونا چاہیے، دوسری صف میں تیسری میں چوتھی میں آخری میں یہ ایمان کی کمزوری کی نشانی ہے، جتنا آپ اس میں مضبوط ہوتے ہیں عبادات میں جو اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اتنا ہی آپ کے عمل میں وہ نظر آتا ہے (آپ کے اخلاص میں آپ کے قول میں آپ کے فعل میں، آپ کے حسن اخلاق میں، آپ کی عبادت کے انداز میں، اتباع سنت میں یہ سب چیزیں) اور یہ سب لازم و ملزوم

ہیں یہ ناممکن ہے کہ آپ کا ایمان بالکل مضبوط ہو اور آپ عمل میں بالکل سست ہوں سستی اور کاہلی کا شکار ہوں، ناممکن ہے یہ!

ایمان کی مضبوطی ہے تو عمل کی بھی مضبوطی ہے زبان سے جھوٹ نہیں بول سکیں گے آپ جتنا ایمان مضبوط ہوگا اتنا ہی آپ ان محرمات سے اجتناب کرتے رہیں گے (اللہ کی توفیق سے)۔ آپ دیکھیں کہ دو لوگ ہیں ایک مسجد میں ایک ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں دونوں کا خشوع برابر نہیں ہے دونوں کا اُجر بھی برابر نہیں ہے نماز کا۔

بھئی ایک ہی نماز پڑھی ہے ایک ساتھ کھڑے ہیں، ایک ہی صف میں کھڑے ہیں برابر کیوں نہیں ہیں؟! دل کی حالت برابر نہیں ہے۔ وجہ کیا ہے؟ ظاہراً تو ایک جیسے لگ رہے ہیں لیکن دل کی حالت برابر نہیں ہے ایمان کی مضبوطی برابر نہیں ہے، تقویٰ برابر نہیں ہے، اخلاص برابر نہیں ہے ایمان کی مضبوطی برابر نہیں ہے۔ جتنا ایمان مضبوط ہوتا ہے اتنا ہی اس کے عمل میں اور قول میں اور فعل میں، حسن اخلاق میں اور آپ کے تمام معاملات میں (عقیدے میں عبادت میں، معاملات میں، اخلاق میں) وہ چیز نظر آجاتی ہے (سبحان اللہ)۔

تو پھر اس کا یہ ثمرہ نکلتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب پڑھتے ہیں نا ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ تو آپ کے دل میں کیا ہونا چاہیے کوئی فرق ہونا چاہیے کہ نہیں؟ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے وہ جانتا ہے جو زمین میں ہے وہ بھی جانتا ہے، جو ہو چکا ہے وہ بھی جانتا ہے جو نہیں ہوا وہ بھی جانتا ہے، جو نہیں ہوا اگر ہوتا تو کیسے ہوتا وہ بھی جانتا ہے (علم اُزلی ہے ہمیشہ سے ہے)، جو میں چھپاتا ہوں وہ بھی جانتا ہے جو میں ظاہر کرتا ہوں وہ بھی جانتا ہے، میری آنکھوں کی خیانت بھی جانتا ہے سینے میں جو چھپا ہے وہ بھی جانتا ہے۔

تو اس پیغام سے میرے دل پر کیا اثر ہونا چاہیے کوئی فرق پڑنا چاہیے کہ نہیں؟ جب میں یقیناً جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے تو پھر مجھے کہاں پر ہونا چاہیے کہاں پر نہیں ہونا چاہیے اور یہ کیا متعین کرے گا؟ کہ آپ کا ایمان اللہ تعالیٰ کے اس جو نام ہے ﴿عَلِيمٌ﴾ علیم کی صفت العلم جو ہے اور اس کا جو احاطہ ہے کتنا مضبوط ہے۔

ہم کہتے ہیں نا توحید اسماء وصفات کا فائدہ کیا ہے؟ واللہ زندگی بدل جاتی ہے، ایک تو فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق سے علم رکھنا۔ سب سے پہلا رکن کون سا ہے ارکان ایمان کا؟ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور اس کا یہ ایک یعنی بنیادی حصہ ہے توحید اسماء وصفات تیسری قسم کی توحید ہے۔ میں عمل کے اعتبار سے کہہ رہا ہوں ہماری روزمرہ زندگی میں کیا

توحید اسماء وصفات کا کوئی فائدہ ہے کہ نہیں؟ یہی کتنا بڑا فائدہ ہے کہ آپ کا قول و فعل، آپ کا تقویٰ، آپ کا عمل، آپ کا اخلاق، آپ کا مکمل دین اور دنیا میں جو آپ کے معاملات ہیں وہ سارے مضبوط ہو سکتے ہیں اور بہترین طریقے سے آپ زندگی بسر کر سکتے ہیں اسی توحید کی بنیاد پر۔

چھوٹی سی مثال جب ہم پڑھتے ہیں ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ دل میں کیا اثر ہونا چاہیے اس کا؟ جہاں پر اللہ تعالیٰ مجھے دیکھنا چاہتا ہے خیر میں، فرائض کی ادائیگی میں، سنن میں، اور جو نوافل ہیں وہاں پر مجھے ہونا چاہیے کہ نہیں؟ ہونا چاہیے۔ اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے مجھے منع فرمایا ہے وہاں پر مجھے ہونا چاہیے نہیں ہونا چاہیے؟ نہیں ہونا چاہیے۔ کیوں؟ کیونکہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

یہ کیسے ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے چوری، ڈکیتی، ظلم حرام ہے اور پھر چوری بھی ہو رہی ہے ڈکیتی بھی ہو رہی ہے کرپشن (Corruption) ہو رہی ہے اور محرمات کا ارتکاب بھی ہو رہا ہے خلل کس چیز میں ہے؟ ایمان میں خلل ہے۔ اگر یقینی طور پر ہمیں ایمان ہوتا تو پھر یہ بدکاری نہ ہوتی۔ بدکاری کب ہوتی ہے؟ جب ایمان میں خلل پڑتا ہے۔ گناہ کب ہوتا ہے؟ جب ایمان میں کمزوری ہوتی ہے۔

اس لیے حدیث میں کیا آیا ہے چور چوری کب کرتا ہے؟ زناکار زناکاری کب کرتا ہے؟ جب اس کا ایمان نہیں رہتا، (یعنی ایمان کمزور ہو جاتا ہے)۔ یہ نہیں کہ وہ کافر ہو جاتا ہے، نہیں! جیسا خوارج کا منہج ہے خوارج سمجھتے ہیں کہ ایمان کی نفی ہو گئی ہے تو کافر ہو گیا ہے۔ نہیں! یعنی اتنا کمزور ایمان ہو گیا ہے کہ اس ایمان کی کمزوری کی وجہ سے اس نے گناہ کر دیا ہے تو اس لیے ایمان کو مضبوط کرنا ہے۔

اس لیے دیکھیں قرآن مجید کی اکثر آیات کا اختتام اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے ہوتا ہے ﴿الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝ مَٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ (الفاتحہ:2-3) سورۃ الفاتحہ میں دیکھ لیں آپ، اور اکثر آیات میں ﴿الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (البقرۃ:129)، ﴿الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (یونس:107)۔ وجہ کیا ہے؟ یہ پیغام ہے کہ جب آپ پڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے باب میں آپ کے دل پر اس کا اثر ہونا چاہیے اور آپ کے عمل میں اور مکمل جسم میں اس کا اثر ہونا چاہیے کیونکہ دل بادشاہ ہے جسم کا نا اگر دل درست ہو جائے صالح ہو جائے تو پورے جسم پر اس کا اثر ہوتا ہے پورا جسم صالح ہو جاتا ہے، اور اگر (نعوذ باللہ) دل فاسد ہو جائے تو اس کا اثر پورے جسم پر ہوتا ہے اور پورا جسم ناکارہ ہو جاتا ہے

فاسد ہو جاتا ہے پھر آنکھ بھی (نعوذ باللہ) محرم کی طرف دیکھے گی، کان بھی حرام سنیں گے، زبان بھی حرام بولے گی، اللہ تعالیٰ سے دوری ہونی ہے (نعوذ باللہ) نا ہاتھ سے پاؤں سے، دماغ سے سوچ سے، دل سے ! ایک گناہ ہوتا ہے ایک کالا دھبہ لگ جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اگر توبہ کر لیتا ہے تو وہ صاف ہو جاتا ہے، توبہ نہیں کرتا ہے تو ایک اور سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے (کیونکہ اور گناہ ہو جاتا ہے)۔

اور گناہ گناہ کو کھینچتا ہے پھر توبہ نہیں ہوتی پھر ایک اور کالا دھبہ لگ جاتا ہے پھر آنکھوں سے بھی گناہ ہو رہے ہیں، کانوں سے بھی گناہ ہو رہے ہیں، زبان سے بھی گناہ ہو رہے ہیں، ہاتھ سے بھی گناہ ہو رہے ہیں، پاؤں سے بھی گناہ ہو رہے ہیں، جسم کا کوئی حصہ باقی رہتا نہیں ہے نعوذ باللہ، اور دل اتنا کالا سیاہ ہو جاتا ہے جیسا کہ اوندھا کوزہ جو ہوتا ہے یعنی اس میں کوئی چیز آپ ڈال نہیں سکتے۔ یہ گلاس اوندھا کر لیں آپ (اُلٹا کر لیں) اور کچھ ڈال کر دیکھیں کچھ اس میں جا سکتا ہے (نعوذ باللہ)؟

کالا سیاہ اور اوندھے کوزے کی طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے (نعوذ باللہ من الخذلان)، کتنی بڑی بد بختی ہے واللہ ! پھر کوئی خیر کی طرف دیکھ ہی نہیں سکتا جب تک وہ توبہ نہیں کرتا، توبہ کرتا جائے گا ایک ایک کالا دھبہ مٹتا جائے گا اور پھر صاف شفاف دل ہو جائے گا، اگر توبہ کی توفیق نہیں ہوتی اور وہ خود مزید یعنی ان گناہوں کی تہہ تک چلا جاتا ہے (نعوذ باللہ) اور پھر وہ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ سے دور بھی ہوتا رہتا ہے، اگر اُس پر اللہ تعالیٰ خاص کرم کر دیتا ہے تو اس میں خیر کا امکان ہے ورنہ پھر تو وہ ہلاک ہو گیا (نعوذ باللہ)!

تو مومن کو چاہیے کہ اپنے ایمان کا جائزہ لے اپنے دل کا جائزہ لے اور دیکھے وہ کہاں پر ہے، کیسے اٹھتا ہے کیسے بیٹھتا ہے، عبادات میں وہ کیسا ہے، عقیدے میں وہ کیسا ہے سب سے پہلے، توحید کے تعلق سے وہ کیا جانتا ہے موحد ہے کہ نہیں ہے، متبع سنت ہے کہ نہیں ہے، فرائض کی ادائیگی میں وہ کیسا ہے، سنن اور نوافل میں وہ کیسا ہے، محرمات سے اجتناب میں وہ کیسا ہے، کیا شرک سے دور ہے کہ نہیں ہے۔ تعویذ ہے کالے دھاگے ہیں، گنڈا ہے جادو ہے یہ ساری چیزیں معاشرے میں جو تباہی مچی ہوئی ہے اور جو فساد مچا ہوا ہے (نعوذ باللہ) اُس میں وہ کہاں ہے چاہے مرد ہو یا عورت ہو کہاں پر ہے، ان محرمات سے ظلم سے، والدین کے ساتھ بد سلوکی سے، قطع رحمی سے وہ کہاں پر ہے۔

اگر تو اس کا حق ادا کر رہا ہے (اور توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے) اور الحمد للہ موحد ہے متبع سنت ہے اور فرائض کی ادائیگی میں ماشاءاللہ وہ آگے ہے عقیدہ اس کا بالکل درست ہے متبع سنت ہے اور فرائض کی ادائیگی میں اور حقوق کی ادائیگی میں الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے اس کو توفیق دی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور شکر کرنے سے اللہ تعالیٰ مزید ثابت قدمی عطا فرماتا ہے اور اس سے زیادہ توفیق دیتا ہے۔

اور اگر ایسا نہیں ہے دور ہے محرمات میں ڈوبا ہوا ہے نعوذ باللہ، شرک ہے بدعات ہیں خرافات ہیں، جادو ہے تعویذ ہے، اور قطع رحمی ہے، والدین سے بدسلوکی ہے، ظلم ہے اور حقوق کی دھجیاں اُڑادی ہیں حقوق کی ادائیگی میں کوئی اس کا دھیان ہی نہیں ہے کوئی پرواہ نہیں ہے (نعوذ باللہ) تو ابھی وقت ہے سنبھلنے کا توبہ کرنے کا ورنہ جب تک سانسیں جاری ہیں وقت ہے لیکن جب سانس حلقوم تک یہاں تک پہنچے گی نا پھر توبہ ختم ہو جائے گی پھر توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا پھر حساب کا وقت شروع ہو جائے گا۔ پتہ ہے؟! یہ روح نکلتے ہی پتہ چلتا ہے۔ دو لوگوں کی روح برابر نہیں نکلتی، مومن کی اور کافر بدکار کی روح برابر نہیں نکلتی، "اخْرُجِي أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ" فرشتہ اہل ایمان جو طیب نفس والے ہیں یہ کہہ کر روح نکالتا ہے، ﴿وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا﴾ (النازعات: 2)۔

اور اگر کافر ہے بدکار ہے اللہ تعالیٰ سے دور ہے نافرمان ہے ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾ (النازعات: 1)، "اخْرُجِي أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيثَةُ إِلَي رَبٍّ غَضْبَانَ"۔ اور پہلے جو ہے "اخْرُجِي أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ إِلَي رَبٍّ راضٍ" اور بڑی خوشی سے روح نکلے گی اور اُس کی روح دیکھیں (نعوذ باللہ) جب پتہ چلتا ہے کہ تمہارا ربّ شدید غصے میں ہے وہ ڈر کے مارے مزید جسم میں ڈوب جائے گی اور فرشتہ بھی ڈوب جائے گا اُس کو نکالنے کے لیے ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾، (نعوذ باللہ)۔

آج متعین کرنا ہے کہ کس طرف جانا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا دی ہے یہ زندگی دی ہے دوبارہ نہیں ملنے والی ایک ہی موقع ہے، اس دنیا میں ہم آئے ہیں اصل زندگی کے لیے یہ زندگی اصل نہیں ہے کیونکہ یہ وقتی طور پر ہے۔ پیدائش سے لے کر وفات تک یہ دنیاوی زندگی ہے، پھر برزخ نے شروع ہونا ہے (قبر کی زندگی)، پھر ہمیشہ آخرت کی زندگی ہے۔

اب قبر کی زندگی اور آخرت کی ہمیشہ کی زندگی جو ہے قبر کی وقتی طور پر ہے اس لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ (التکاثر: 1-2)۔ زیارت ہے زیارت وقت طور پر ہوتی ہے یا

ہمیشہ کے لیے ہوتی ہے ؟ وقتی طور پر۔ تو قبر کا برزخ کا مرحلہ وقت طور پر ہے لیکن کتنا ہے ؟ ہزاروں سال ہو سکتا ہے (اللہ أعلم)۔ اب فرعون کو ہزاروں سال ہو گئے ہیں روزانہ پیش کر دیا جاتا ہے فرعون اور آل فرعون کو برزخ کی آگ میں (سبحان اللہ)۔

اور آخرت کی ہمیشہ کی زندگی ہے آج متعین کرنا ہے کہ کس طرف جانا ہے، یہ قبر جو ہے یا تو جنت کا باغ ہو گی اہل ایمان کے لیے، یا نعوذ باللہ اہل کفر کے لیے اور عصیان، نافرمانوں کے لیے جہنم کا گڑھا ہو گی۔

کب کیسے متعین کریں گے ہم ؟ آج یہ وقت ہے، واللہ توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے ہم نے صرف ایک قدم بڑھانا ہے آسانی اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔

تو ہم نے کس طرف دائیں جانا ہے یا بائیں جانا ہے کوئی زبردستی کی ہوئی ہے کسی پر ؟ کوئی زبردستی نہیں ہے لیکن آج اگر ہم اپنی سمت ٹھیک نہیں کرتے، اپنے عقائد، عبادات، معاملات، حقوق کی ادائیگی کا جائزہ نہیں لیتے اور اپنے آپ کو ٹھیک نہیں کرتے تو کل موقع نہیں ملنے والا (کل سے مراد مرنے کے بعد موقع نہیں ملنے والا)، آج ہی کی زندگی ہے۔ کہتے ہیں نا کل کس نے دیکھا ہے تو سچ بات ہے کل کس نے دیکھا ہے !

اور اسی پر بات کا اختتام کرتا ہوں میں کہ ایک سو سال کی بڑھیا ابھی کچھ دن پہلے کلینک میں آئی کمال ہے بھائی واللہ بے ہوش بالکل ختم تھی ! کلینک میں لے کر آئے صرف سانس جاری تھی ہوش میں نہیں تھی۔ تو میں نے کہا بھئی ایمرجنسی (Emergency) میں لے جاؤ۔ کہتا ہے ابھی آیا ہوں میرے پاس پیسہ نہیں ہے وہ پیسے زیادہ مانگ رہے ہیں ایڈمیشن (Admission) کے کچھ نہیں ہے مہربانی کریں کچھ۔ فیکٹر دیکھیں۔ اس کو دیکھا دوائی دی بخار کی وجہ سے بے ہوش تھی، پھر عشاء کی نماز کے لیے جا رہا تھا میں مسجد میں دیکھا تو وہ اس کو اٹھا کر کھڑا ہے۔ میں نے کہا کیا ہے ؟ کہتا ہے باتھ روم (Bathroom) جانا چاہتی ہیں (یعنی ہوش اسے آ گیا تھا الحمد للہ)۔ پھر واپس آیا، میں نے اسے کہا اس کے بیٹے سے جب اُس نے کہا بھئی نماز کے لیے وہ جا رہی ہیں تو ہم اپنی ڈاکٹری پر اُتر آتے ہیں میں نے کہا نماز کے لیے جا رہی ہیں یہ تو نماز بعد میں پڑھ لیتیں یا گھر میں جا کر پڑھ لیتیں (میں نے اس کے بیٹے سے کہا)۔ کیونکہ حالت بالکل بُری تھی اللہ تعالیٰ نے الحمد للہ کوئی کرم کیا ہے اتنی قابل ہو گئی کہ ہوش آیا ہے تو الحمد للہ، پھر میں نے سوچا اُس بڑھیا کا ایمان دیکھیں آپ ! گارنٹی کیا تھی کہ اس کو وقت ملے گا نماز پڑھنے کا وہ تو لے کر آیا تھا ختم ہے بس بے چاری ! جیسے ہی ہوش

آیا اسے پتہ تھا عشاء کی نماز نہیں پڑھی میں نے، چل نہیں سکتی تھی، اُس کی بیٹیاں جو بھی تھیں اس کے ساتھ یوں پکڑ کر نرسیں بھی جا کر اسے باتھ روم (Bathroom) کی طرف لے کر جا رہی تھیں۔ میں نے کہا کمال ہے صحیح بات ہے یہ ایمان ہوتا ہے واقعی کیا گارنٹی ہے کہ وہ گھر میں جا کر نماز پڑھ سکے! ہوش یہاں پر آیا ہے ہوش آ گیا ہے اگرچہ شرعاً اس کے لیے جائز ہے ہوش آیا ہے گھر میں جائے آرام سے نماز پڑھے کیونکہ ہسپتال کا ماحول آپ کو پتہ ہے کیسا ہوتا ہے بے پردگی ہوتی ہے مشکل ہوتا ہے سب لیکن میں حیران ہوں دیکھیں کہ باتھ روم (Bathroom) کے اندر گئی ہیں اور وہاں پر وضو کیا ہے، جب میں واپس آیا نماز پڑھ کر دیکھا نماز بھی پڑھ لی ہے اُس نے عشاء کی۔

یہ کس نے کروایا ہے اُس سے اس حالت میں؟! یہ ایمان ہوتا ہے۔ کہتے ہیں بھول جاتی ہے لیکن نماز نہیں بھولتی سو سال سے زیادہ عمر ہے الزائمر (Alzheimer) بھی ہے اور اکثر بھول جاتی ہے بار بار پوچھتی ہے نماز کا وقت ہوا ہے نماز کا وقت ہوا ہے؟ بس وقت نماز کا ہو جائے کہتے ہیں فوراً وضو کر کے نماز پڑھ لیتی ہے اُس کی ایک ہی فکر ہوتی ہے اُسے بھوک پیاس، کھانا پینا کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ جب زندگی ایسے نماز میں گزری ہے جس بندے کی تو آخرت میں اللہ تعالیٰ اسے توفیق نہیں دے گا کیا بات یہ ہے بس!

اس لیے میرے بھائیو! اللہ کے لیے آپ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو کر تو دیکھو آپ ایک بالشت قریب ہوتے ہو وہ ایک گز قریب ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے حدیث قدسی میں۔ آپ کر کے تو دیکھیں اور دیکھیں واللہ! کتنی برکت والی زندگی آپ کو اللہ تعالیٰ میسر فرماتا ہے۔

کب تک دور رہیں گے اور دور رہ کر ہم کر کیا سکتے ہیں ہماری حیثیت ہی کیا ہے ہماری اوقات ہی کیا ہے؟! چھوٹی سی تکلیف میں دوڑتے ہیں دعاؤں میں سجدوں میں، صدقات میں خیرات میں پتہ نہیں کیا کچھ نہیں کرتے ہم بس اسی لیے رہ گئے ہیں صرف کہ تکلیف ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے قریب ہونا ہے پھر اپنی زندگی میں مگن؟! کتنے خود غرض ہیں ہم لوگ خود غرضی ہے نا یہ اور کیا ہے؟! کرم تو اسی کا ہے، تکلیف اسی کی طرف سے ہے ٹالتا بھی وہی ہے بیچ میں آزمائش ہے صرف کون صبر کرتا ہے کون شکر کرتا ہے، کون قریب ہوتا ہے کون دور ہوتا ہے (اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے)۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے، قرآن اور سنت کو سمجھنے کی اور اس پر

عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے قریب ہونے کی اور اس کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، جہاں پر اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور راضی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسی طرف جانے کی توفیق عطا فرمائے، اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو دور فرمائے، آمین۔

((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لا إِلهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (25.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔